حرف آغاز

اسلام میں حیثیتِ نسواں
چند اساسی تصورات

——————— سید جلال الدین عمری

مدیر محترم مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف 'عورت - اسلامی معاشرہ میں' کو ہندو پاک کے علمی و دینی حلقوں میں غیر معمولی شہرت اور مقبولیت حاصل ہے۔ اس کی تالیف کو نصف صدی کا عرصہ گزر جانے کے باوجود یہ اپنے موضوع پر بھرپور، مدلل اور بے مثال کتاب ہے۔ مصنف کو اب تک اس پر نظرثانی کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب انھوں نے نظرثانی کی تو اس میں جا بہ جا اضافے کیے۔ یہاں اضافہ شدہ مباحث کے چند منتخب حصوں کو پیش کیا جا رہا ہے۔ ان سے صحیح طور پر فائدہ کتاب کے اضافہ شدہ ایڈیشن کے مطالعہ ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (معاون مدیر)

عہدِ جاہلیت میں عورت کی بے قدری

سرزمینِ عرب پر اسلام کی آمد سے قبل ظلمت کے جو بادل چھائے ہوئے تھے اس میں بعض اوقات لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ کبھی تو ماں، جس کا سینہ مہر و محبت کا سرچشمہ ہوتا ہے، وضعِ حمل کے بعد جب دیکھتی کہ لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اسے موت کے آغوش میں پہنچا دیتی۔ بعض اوقات لڑکی چھ سال کی عمر کو پہنچ جاتی، اس کا باپ گڑھا کھود کر اس میں اسے پھینک دیتا اور مٹی سے پاٹ دیتا۔ جو معصوم جان اس درندگی سے بچ جاتی اسے بھیڑ کے اون سے بنا ہوا کپڑا پہنا کر اونٹ اور بکریاں چرانے میں لگا دیتے۔[1]

---

[1] زمخشری، الکشاف عن حقائق التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء، ۶۹۴/۴

قیس بن عاصمؓ نے دورِ جاہلیت میں آٹھ لڑکیاں اور ایک روایت کے مطابق بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کی تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ان کے بدلے اتنے ہی غلام آزاد کردو۔ انھوں نے اس پر عمل کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کا سرمایہ اونٹ تھے۔ آپ کے حکم سے انھوں نے اتنے اونٹ ذبح کیے اور صدقہ کیا۔[۱] (ہوسکتا ہے دونوں باتوں پر عمل کیا ہو)۔

اس ظلم کا بعض لوگوں کو احساس تھا۔ مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ بن ناجیہ لوگوں کو اس ظلم و بربریت سے منع کرتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے ترسٹھ (۶۳) (ایک روایت میں ہے کہ تین سو ساٹھ (۳۶۰)۔ ہوسکتا ہے اس میں مبالغہ ہو) لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا ہے، ہر ایک کو دس ماہ کی دوگا بھن اونٹیوں اور ایک اونٹ کے عوض حاصل کرتا تھا۔ کیا اس کا اجر مجھے ملے گا؟ آپ نے فرمایا: یہ تمھارا حسن سلوک ہے۔ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے تمھیں اسلام کی نعمت سے نوازا ہے۔[۲]

یہ وحشیانہ حرکت انسان کی فطرت کے خلاف ہے، اس لیے اس طرح کی اور بھی انفرادی کوششیں شاید ہوتی رہی ہوں۔ اس سے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ عرب میں قتل بنات عام تھا۔ اس سے ان کا وجود ہی آہستہ آہستہ ختم ہوجاتا۔ لیکن اتنی بات واضح ہے کہ عرب میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے واقعات شاذ و نادر نہ تھے، بلکہ بہ کثرت ہوتے رہتے تھے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ قبیلہ ربیعہ اور مضر میں ایسے لوگ تھے جو لڑکیوں کو دفن کرتے تھے (کبھی) دو آدمیوں کے درمیان بات طے ہوتی تھی کہ وہ ایک لڑکی کو باقی رکھے گا اور دوسری کو ختم کردے گا۔ بغوی کہتے ہیں کہ اس کا رواج قبیلہ ربیعہ اور مضر اور بعض عربوں میں تھا، قبیلہ کنانہ میں اس پر عمل نہیں ہوتا تھا۔[۳] قبیلہ کندہ کا بھی اس سلسلے میں ذکر آتا ہے،

---

۱ ابن الاثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء، ۴/۴۱۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الحدیث القاہرۃ، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء، ۸/۴ ۳۰

۲ ابن الاثیر، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ۳/۲۲، ۲۳۔ زمخشری، الکشاف مع حاشیۃ الشیخ محمد علیان، ۴/ ۷۹۵

۳ خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، مع معالم التنزیل، البغوی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء، ۲/۴۵۳

لیکن یہ کوئی عام روش نہ تھی۔ قاضی ابو محمد کہتے ہیں:

کان جمهور العرب لا یفعله[۱] عام عرب یہ نہیں کرتے تھے۔

اسلام نے عورت کو حقِ حیات عطا کیا

اسلام نے شروع ہی سے 'قتل اولاد' کو ایک اہم ایشو بنایا اور اس کے خلاف آواز بلند کی۔ اس کے نزدیک کسی ایک بے گناہ کا قتل نوعِ انسانی کا قتل ہے۔ اس کی بدترین صورت یہ ہے کہ انسان اپنی معصوم اولاد اور جگر گوشوں کو قتل کر دے۔ اس دنیا میں ہر انسان جو پیدا ہوتا ہے حقِ زیست لے کر پیدا ہوتا ہے۔ اسے لازماً یہ حق ملنا چاہیے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ ماں باپ کا دست شفقت جلّاد کا ہاتھ ثابت ہو، وہ اپنے جگر گوشوں کا حقِ حیات سلب کر لیں اور انھیں موت کی نیند سلا دیں۔

قتل اولاد کے محرکات

قتل اولاد کے مختلف محرکات تھے۔ بڑا محرک تو غربت وافلاس یا اس کا اندیشہ تھا۔ خاص لڑکیوں کو ختم کرنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے۔

قبائل عرب کے درمیان جنگ عام تھی۔ کسی بھی وقت کوئی قبیلہ دوسرے پر حملہ کر دیتا۔ وہ سوچتے تھے کہ عورتیں اپنا دفاع نہیں کر سکتیں، وہ آسانی سے گرفتار ہو جائیں گی اور باندی بنالی جائیں گی۔ اس سے بہتر ہے کہ ان کا وجود نہ رہے۔

یہ غلط عقیدہ بھی ان میں تھا کہ فرشتے، اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اگر ہم اپنی لڑکیوں کو ختم کریں گے تو وہ ان ہی سے مل جائیں گی۔ اس لیے یہ کوئی غلط عمل نہیں ہے۔

وہ اسے اپنی توہین سمجھتے تھے کہ ان کی لڑکی دوسرے قبیلہ کے کسی فرد کے نکاح میں جائے اور ان پر اس قبیلہ کی برتری قائم ہو جائے۔

لڑکوں کے سلسلے میں یہ بھی ہوتا تھا کہ کبھی ایک شخص نذر مان لیتا کہ اگر مجھے اتنے لڑکے ہوں گے تو ایک لڑکے کو قربان کر دوں گا۔ مشہور واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[۱] ابن عطیۃ الاندلسی، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، ۳/۴۷۴، طبع دولۃ قطر

کے جدامجد عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس لڑکے ہوں گے اور وہ ان کی دفاع اور حمایت کے قابل ہو جائیں گے تو ان میں سے ایک کو اللہ کی راہ میں کعبہ کے پاس قربان کردیں گے۔ جب سب بچے اس عمر کو پہنچے تو انھوں نے اپنی نذر پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ بچے بھی تیار ہو گئے۔اس کے لیے قرعہ اندازی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب نے ان کی قربانی کا ارادہ کیا تو قریش نے منت سماجت کی کہ وہ اس اقدام سے باز آجائیں۔ پھر ایک کاہن کے مشورے سے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کیے اور عبداللہ کی قربانی کے ارادے سے باز رہے۔[۱]

قرآن نے محرّکاتِ قتل کی تردید کی

اس طرح قتل اولاد کے پیچھے مختلف سماجی، معاشی اور مذہبی محرکات تھے۔ قرآن مجید نے اس کے ایک ایک پہلو پر تنقید کی، ان کے اوہام وخرافات کی تردید کی اور ان کی نامعقولیت واضح کی، غلط تصورات کی اصلاح کی اور صحیح تصور پیش کیا۔

مشرکین عرب کے فکر وعمل پر شرک کا جس طرح غلبہ تھا اس کا سورۂ انعام میں تفصیل سے ذکر ہے۔ اسی سلسلے میں فرمایا کہ وہ اپنی کھیتی باڑی اور مویشی میں ایک حصہ خدا کا اور ایک حصہ اپنے مزعومہ خدا کے شریکوں کا رکھتے ہیں۔ ان کے یہ شریک انھیں اتنے عزیز ہیں یا ان پر ان کا اتنا خوف طاری ہے کہ اللہ کا حصہ تو ان شریکوں کے حصے میں چلا جاتا ہے، لیکن شریکوں کا جو حصہ ہے وہ اللہ کے حصہ میں کبھی شامل نہیں ہو پاتا۔ اس کے بعد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ۔ (الانعام:۱۳۷)	اسی طرح بہت سے مشرکین کو خدا کے ساتھ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے ان کی اولاد کے قتل کو آراستہ کردیا ہے، تاکہ ان کو ہلاک کردیں اور ان کے دین کو ان کے لیے خلط ملط کردیں۔ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو وہ ایسا نہ کرتے۔ چھوڑو ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو۔

[۱] اس واقعہ کی پوری تفصیل ابن ہشام کی السیرۃ النبویۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء، ۱/۱۸۸، ۱۸۹ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

[۲] ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۴/۴۱۲، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۸/۳۰۴

آیت میں 'کثیر من المشرکین' (بہت سے مشرکین) کے الفاظ آئے ہیں۔اس سے مراد وہ مشرکین ہیں جو قتلِ اولاد کا ارتکاب کر رہے تھے۔ان کی ایک بڑی تعداد تھی۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عرب کی اکثریت اس میں ملوّث تھی۔[۱]

آیت سے قتل اولاد سے متعلق بعض باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱- مشرکین نے خدا کا جن کو شریک قرار دے رکھا تھا انھوں نے قتل اولاد کو ان کے لیے مزین کر دیا تھا۔ایک غلط اور بھیانک عمل کو اس طرح آراستہ کر دیا تھا کہ وہ اس کی قباحت اور سنگینی کو محسوس نہیں کرتے تھے، بلکہ بعض اوقات وہ اسے ایک پسندیدہ فعل سمجھتے تھے۔

۲- شرکاء سے مراد کون ہیں؟ یہ وہ شیاطین ہیں جو غلط اور فاسد خیالات ذہنوں میں ڈالتے رہتے ہیں اور انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کو اپنا لیتا ہے۔اس میں وہ مذہبی راہ نما، پروہت اور پادری بھی ہیں جو کسی غلط کام کو مذہبی رنگ دیتے ہیں اور ان کے معتقدین اسے مذہبی عمل سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں۔ان میں گم راہ لیڈر اور رہ نما بھی آتے ہیں جو مختلف حکمتیں بتا کر قتلِ اولاد کو جائز قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔یہ ساری باتیں اس میں شامل ہیں۔

۳- تیسری بات یہ کہی گئی لِیُرۡدُوۡھُمۡ (تاکہ انھیں ہلاک کر دیں) اس کے ذریعہ یہ حقیقت واضح کی گئی کہ قتل اولاد ہلاکت اور تباہی کا راستہ ہے۔جو فرد یہ راہ اختیار کرتا ہے وہ نسل کشی کا ارتکاب کرتا اور اپنے ہی دست و بازو قطع کرتا ہے۔جو قوم اس پر عمل کرتی ہے وہ اپنی افرادی قوت کو ختم کرتی چلی جاتی ہے اور بالآخر تباہ ہو کر رہتی ہے۔اسی ہلاکت کا راستہ شیاطینِ جن وانس ان کو دکھا رہے ہیں۔قتل اولاد کے جرم ہونے کا احساس تو شاید کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے،لیکن قرآن مجید نے اس جرم کی شناعت اور اس کے نتائجِ بد سے دنیا کو سب سے پہلے اس تفصیل سے آگاہ کیا۔تاریخ اس کی تصدیق کر رہی ہے۔آج اس کی وجہ سے خاندان برباد ہو رہے ہیں۔قومیں افرادی طاقت

---

[۱] مفسر ابن عطیہ کہتے ہیں: الكثير فى هذه الأية يراد به من كان يئد من مشركى العرب۔ المحرر الوجیز، ۴/۴۶۷

سے محروم ہورہی ہیں۔ یہ تو دنیا کی تباہی ہے۔ آخرت کی بربادی اور وہاں کا نقصان اس سے زیادہ ہوگا۔

اس سلسلے کی چوتھی بات یہ کہی گئی ’وَلِیَلْبِسُوا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ‘ (تاکہ ان کے دین کو ان پر مشتبہ کردیں) اہل عرب کا دین اصلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا دین تھا۔ یہ شرک اور قتلِ اولاد جیسے ظلم سے پاک تھا، لیکن شیاطینِ جن وانس نے اس میں توحید کی جگہ شرک کو داخل کردیا اور اولاد سے شفقت وہم دردی کی جگہ ان کے قتل کی راہ دکھائی۔ یہ اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مہلت دے رکھی ہے۔ دین کے نام پر وہ جو افترا پردازی کررہے ہیں وہ توجہ کے قابل نہیں ہے۔

اسی ذیل میں دو آیات کے بعد ارشاد ہوا:

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَیْرِ عِلْمٍ۔ (الانعام: ۱۴۰)

بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو حماقت میں بغیر کسی علم کے قتل کیا۔

یہ اس بات کا اظہار واعلان ہے کہ ’قتل اولاد‘ کسی بھی محرک کے تحت ہو، خسارے اور نقصان کا عمل ہے۔ یہ سراسر جہالت اور جاہلیت کا مظاہرہ ہے۔ اس کی کوئی معقول توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ اس کے لیے کوئی علمی، دینی، اخلاقی اور سماجی جواز فراہم کرنا ممکن نہیں ہے۔[۱]

دختر کشی کی ممانعت

’قتل اولاد‘ سے یہاں خاص طور پر دختر کشی مراد ہے۔ اس لیے کہ زیادہ تر اسی کا ارتکاب ہوتا تھا۔ لڑکے کی جان لی جائے یا لڑکی کی وہ قتل اولاد ہے۔ اسلام دونوں میں

---

۱ عرب میں قتل اولاد کے رواج، اس کے محرکات اور قرآن کی تعلیمات کو سورۂ انعام کی مذکورہ آیت کے ذیل میں مفسرین نے تفصیل سے پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء، جلد ۵، جزء ۷، ص ۶۰ اور ۶۴۔ رازی، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ء، جلد ۷، جز ۱۳، ص ۱۶۸-۱۷۰-۱۷۲۔ خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل، بغوی، معالم التنزیل، ۲/ ۴۵۱-۴۵۳

فرق نہیں کرتا۔

دختر کشی کے خلاف اسلام نے پوری شدت سے آواز بلند کی اور کہا کہ لڑکی کو حقِ زیست حاصل ہے۔ وہ زندہ رہے گی۔ جو کوئی اس کے اس حق پر دست درازی کرے گا، قیامت کے روز اس کی باز پرس سے بچ نہ سکے گا۔

وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ. بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ۔ (التکویر: ۸،۹)	اور جب زندہ در گور کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس گناہ میں وہ ماری گئی۔

یہ سوال بہ ظاہر اس سنگ دل باپ اور شقی القلب ماں سے ہونا چاہیے جنھوں نے ایک معصوم بچی کو اپنے ہاتھوں سے زیر زمین کیا تھا۔ اس کی جگہ اس بچی ہی سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے کیا جرم کیا تھا کہ تمھیں یہ ہول ناک سزا دی گئی۔ وہ جب بتائے گی کہ اس کی آنکھیں کھلی بھی نہ تھیں کہ بند کر دی گئیں اور دنیا کو جی بھر کر دیکھنے سے پہلے ہی اسے ختم کر دیا گیا تو ظالم ماں باپ کی زبانوں پر تالے لگ جائیں گے اور وہ اپنے ظلم کی کوئی توجیہ نہ کر سکیں گے۔

آیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔ اس وقت مسلمان تھوڑی سی تعداد میں تھے، جو انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے ہیں۔ یہ ان کا کوئی مسئلہ بھی نہیں تھا کہ ان کے درمیان اس بربریت کا مظاہرہ ہو رہا ہو، بلکہ یہ عرب کے بعض قبائل کا مسئلہ تھا، لیکن اس کے باوجود قرآن نے اس مسئلہ کو پورے زور سے اٹھایا۔ اور اپنے ماننے والوں کو دعوت دی کہ وہ اس کے خلاف کھڑے ہوں۔ اسلام ہر طرح کے ظلم کے خلاف ہے۔ وہ کسی بھی فرد یا جماعت پر ظلم کو برداشت نہیں کرتا اور اسے ختم کرنا چاہتا ہے۔

معاشی محرک اور اس کا سدّ باب

قتل اولاد، خاص طور پر لڑکیوں کے قتل کے محرکات میں ایک بڑا محرک غربت اور افلاس بھی تھا۔ اہل عرب سمجھتے تھے کہ لڑکی حصول معاش میں تو کچھ زیادہ معاون نہیں ہوتی، بلکہ بوجھ ہی بنی رہتی ہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کی وجہ سے ان کے احتیاج

اور تنگ دستی میں مزید اضافہ ہو۔ فقر و فاقہ نہ بھی ہو تو محض اندیشۂ فقر سے وہ یہ بھیانک اقدام کر بیٹھتے تھے۔

قرآن نے کہا کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جو مخلوق پیدا ہوتی ہے وہ اپنا رزق لے کر آتی ہے، کسی دوسرے کا رزق نہیں کھاتی، اس لیے یہ نہ سمجھو کہ تمھاری اولاد تمھارا رزق تم سے چھین رہی ہے، وہ نہ ہوگی تو تم آسودہ رہوگے:

وَلاَ تَقْتُلُوا أَوْلادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُم إنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْءاً كَبِيْراً۔ (الاسراء:۳۱)	اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمھیں بھی۔ بے شک ان کا قتل ایک بڑی غلطی ہے۔

یہ بات صاحب حیثیت افراد سے کہی گئی جو اولاد کی پیدائش کی وجہ سے معاشی تنگی کے خدشات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ غریبوں اور ناداروں کو بھی اس سے منع کیا گیا۔

وَلاَ تَقْتُلُوا أَوْلادَكُم مِّنْ إمْلاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ۔ (الانعام:۱۵۱)	افلاس کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمھیں بھی رزق دیں گے اور انھیں بھی۔

مطلب یہ کہ فقر و فاقہ کی وجہ سے قتل اولاد جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب نہ کرو۔ اس سے تم پر رزق کے دروازے نہیں کھل جائیں گے۔ اللہ روزی رساں ہے۔ یقین رکھو وہ تمھیں بھی بھوکا نہیں رکھے گا اور تمھاری اولاد کو بھی کھلائے گا۔ رسول اللہ سے دریافت کیا گیا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مَخَافَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ۔[۱]	تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کردو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گی۔

یہاں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ قرآن نے تلاش معاش کا بھی حکم دیا ہے۔ اسے جاری رکھنا بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔ اس سے رزق کی راہیں کھلتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس مظلوم اور نازک صنف کی حمایت میں جو آواز بلند کی،

[۱] بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ البقرۃ، باب قولہ تعالیٰ فلا تجعلوا اللہ اندادا۔ مسلم، کتاب الایمان، باب کون الشرک اقبح الذنوب و بیان اعظمها بعده۔

جو ہدایات اور تعلیمات دیں آج تک کوئی بھی مدعی حقوقِ نسواں ان سے زیادہ صحیح اور حقیقی تعلیمات نہ پیش کر سکا۔ آپ نے فرمایا کہ ماں کی نافرمانی اور زندہ لڑکیوں کو زیرِ زمین کر دینا غیر اخلاقی حرکت ہی نہیں، ایک فعلِ حرام کا ارتکاب ہے، ارشاد ہے:

انّ اللّٰہ حرّم علیکم عقوق الأمہات ومنعاً وھات و وأد البنات۔[۱]

اللہ نے حرام کی ہے تم پر ماؤں کی نافرمانی، ادائے حقوق سے ہاتھ روکنا اور ہر طرف سے مال بٹورنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔

لڑکیوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت پر جنت کی بشارت

رسول اللہ ﷺ نے لڑکیوں کو زندہ رہنے کا حق ہی نہیں دیا، ان سے محبت، ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت کی طرف متوجہ کیا، اس کی فضیلت بیان کی، اس پر جنت کی بشارت دی، لڑکے اور لڑکی کے درمیان برتاؤ میں فرق کو ناپسندیدہ اور غلط قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من کانت لہ انثٰی فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یوثر ولدہ علیھا یعنی الذکور ادخلہ اللہ الجنۃ۔[۲]

جس شخص کے لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے، اس کے ساتھ حقارت آمیز سلوک نہ کرے اور اس پر اپنے لڑکوں کو ترجیح نہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے جنت میں آپ کی رفاقت اسے حاصل ہوگی۔

من عال جاریتین حتّٰی قد ادرکتا دخلت الجنۃ انا وھو کھاتین واشار باصبعیہ السبابۃ والوسطیٰ بابان

جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی، یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں تو میں اور وہ (انگشت شہادت اور درمیان انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے

---

[۱] بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین

[۲] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ۔ حاکم، المستدرک ج۴، ص ۱۹۶

معجلان عقوبتهما فی الدنیا البغی و العقوق۔[۱]

فرمایا) اس طرح جنت میں داخل ہوں گے۔ دو دروازے ہیں، جن سے دنیا میں بہت جلد عذاب داخل ہوتا ہے: ظلم وتعدی اور نافرمانی۔

حدیث کے آخری جملہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ ظلم کی عمر ویسے بھی مختصر ہوتی ہے، لیکن ظلم کے تیر جن کے ہدف اپنے ہی جگر گوشے ہوں، ظالم کو زیادہ مہلت نہیں دیتے۔ وہ جلد اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔[۲]

عورت اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زوجین (مرد اور عورت) کی شکل میں پیدا کیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔ اس لیے ان کی آبادی ایک دوسرے کے برابر ہوتی ہے۔ عام حالات میں اس تناسب میں فرق واقع نہیں ہوتا۔ مرد اور عورت مل کر اس تناسب کو برقرار رکھتے ہیں۔ یہ ایک فطری عمل ہے، اسے کسی مصنوعی طریقہ سے تبدیل کرنا مرد اور عورت دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ یہ بات کہ کس جوڑے سے لڑکے یا لڑکیاں پیدا ہوں؟ کس سے لڑکوں اور لڑکیوں کا سلسلہ جاری رہے؟ اور کون سا جوڑا بانجھ رہے؟ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ اپنے علم وحکمت کے تحت فرماتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے:

لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثاً وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ. اَوْیُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَاناً وَّاِنَاثاً وَّیَجْعَلُ

اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا کرتا ہے یا انھیں لڑکوں اور

---

[۱] حاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب البر والصلۃ، حدیث نمبر ۷۳۵۰ ورواہ الترمذی غیر قولہ بابان معجلان

[۲] اسلام نے عورت کو ماں، بیوی، بیٹی اور بہن کی حیثیت سے جو مقام عطا کیا ہے اور جو حقوق دیے ہیں اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'عورت اور اسلام' بحث 'مسلمان عورت گھر اور خاندان میں' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵، طبع ۲۰۰۹ء

مَن یَّشَآءُ عَقِیماً اِنَّهُ عَلِیمٌ قَدِیرٌ۔ (الشوریٰ: ۴۹، ۵۰)

لڑکیوں کے جوڑے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ بنا دیتا ہے۔ بے شک وہ علم والا اور قدرت والا ہے۔

یہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کی ملک ہے۔ تخلیق اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے لے آتا ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی نے انسان کو وجود دیا۔ اس کے سلسلۂ نسل کو جاری رکھنے کے لیے وہ کسی کو لڑکیاں اور کسی کو لڑکے عطا کرتا ہے، کسی کو دونوں طرح کی اولاد سے نوازتا ہے۔ اس کی حکمت کے تحت کوئی اولاد سے محروم بھی ہوتا ہے۔ جب انسان کا وجود و بقا مرد اور عورت دونوں کا رہینِ منت ہے تو ان میں سے کسی کے برتر اور کم تر یا کسی کے مفید اور غیر مفید ہونے کا سوال ہی بے معنٰی ہے۔

آیت میں اولاد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہبہ اور عطیہ کہا گیا ہے۔ لڑکا بھی اس کا عطیہ ہے اور لڑکی بھی عطیہ ہے۔ ہبہ کرنے والا کوئی بہتر چیز ہبہ کرتا ہے۔ اس پر ناگواری کا اظہار یا اسے بوجھ سمجھنا اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کی توہین ہے۔ اولاد میں پہلے لڑکیوں کا ذکر ہے۔ بعض اوقات لڑکیوں کی پیدائش ناگوار گزرتی ہے۔ آیت اس غلط نفسیات پر ضرب لگاتی ہے۔ قرآن مجید نے لڑکی کی ولادت کو بشارت کہا ہے۔ (النحل: ۵۸) اس کی پیدائش ماں باپ کے لیے خوش خبری ہے، لیکن نادان انسان اسے خبرِ بد سمجھتا ہے۔

مرد اور عورت تہذیب کے معمار

دنیا میں بہت سی تہذیبیں اور تمدن وجود میں آئے۔ لیکن عورت کو غیر مفید اور مخلِ تمدن عنصر سمجھ کر میدانِ عمل سے دور رکھا گیا۔ اس نے کوئی کردار ادا بھی کیا تو اسے تسلیم نہ کیا گیا اور اس کی ہمت افزائی نہ ہوئی۔ اسی لیے تہذیب و تمدن پر مرد کا غلبہ رہا۔ اس کی فکر، خواہشات اور جذبات چھائے رہے اور عورت کنارے پر کھڑی رہی۔ قرآن

مجید نے بتایا کہ تہذیب وتمدن کو وجود میں لانے اور اسے ایک رخ دینے میں مرد اور عورت دونوں شریک ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تہذیب کو بداخلاقی کی راہ پر لگانے اور راہ راست سے ہٹانے میں بھی دونوں کی کوششوں کا دخل ہوتا ہے اور ان کے باہمی تعاون ہی سے تہذیب کو صحیح سمت بھی ملتی ہے۔ منافق اور بے ایمان مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کا تعاون حاصل ہوتا ہے اور وہ معاشرہ کو ناپاک کرنے اور اعلیٰ قدروں سے محروم کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

الْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنٰفِقُوْنَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (التوبۃ: ٦٧)

منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں۔ برائی کا حکم دیتے اور بھلائی سے روکتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ روکے رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے بھی انھیں فراموش کردیا۔ بلاشبہ منافق بڑے ہی نافرمان ہیں۔

اس کے بعد ان کے انجام کا ذکر ہے کہ منافقین اسی طرح کفار (اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا انکار کرنے والے) معاشرے کو غلط رُخ پر لے جاتے ہیں، اس لیے ان کے مرد اور عورتیں آخرت میں نارِ جہنم کے مستحق ہوں گے، جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہوگی اور وہ اس کی رحمت سے دور ہوں گے۔ (التوبۃ :٦٨)

منافقین اور منافقات کے ناپاک رویہ کے برعکس اہل ایمان مرد وخواتین معاشرے کو حق وصداقت کی راہ پر لگانے، بھلائیوں کو فروغ دینے اور برائیوں سے پاک کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔ اسی سے ایک پاکیزہ اور صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ وہ بھلائی کا حکم

وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗٓ أُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (التوبۃ:۷۱)	دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ ضرور رحم کرے گا۔ بلاشبہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ اللہ کا وعدہ ہے ان ایمان والے مردوں اور عورتوں سے کہ وہ انھیں ایسی جنتیں عطا کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں ان کے لیے پاکیزہ مکانات ہوں گے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ انھیں اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔ اس سے بڑی کوئی اور کامیابی نہیں ہے۔[۱] (توبہ:۷۲)

اسلام کا خطاب مرد اور عورت دونوں سے ہے۔ اس کی تاریخ ہی یہ ہے کہ دونوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا، اس کی تبلیغ واشاعت کی سعی کی، تکلیفیں اٹھائیں، اپنا وطن عزیز چھوڑا، ہجرت اختیار کی اور جب حکم ہوا تو دین کے غلبہ کی جدوجہد اور جہاد میں اپنا حصہ ادا کیا۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں اہل ایمان کی قلبی کیفیت کا بیان ہے کہ اپنی تمام تر خدمات، قربانیوں اور راہ خدا میں استقامت کے باوجود انھیں کوتاہیوں کا احساس دامن گیر ہے اور وہ دست بہ دعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے قصور معاف کردے، روز قیامت ہم رسوا نہ ہوں اور تیرے انعام واکرام کے مستحق قرار پائیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا:

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوۡ أُنثَىٰ بَعۡضُكُم مِّنۢ بَعۡضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُواْ	پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو

---

[۱] سورۂ توبہ کی ان آیات کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'مسلمان خواتین کی ذمے داریاں' مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

وَأُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُواْ فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُواْ وَقُتِلُواْ لأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ثَوَاباً مِّن عِندِ اللّهِ وَاللّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ۔

(آل عمران: ۱۹۵)

یا عورت۔ تم آپس میں ایک ہی ہو۔ پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور انھیں میری راہ میں تکلیف دی گئی اور جو لڑے اور مارے گئے تو ضرور میں ان کی غلطیاں معاف کروں گا اور انھیں ایسے باغات میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ بدلہ ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

اسلامی معاشرے کی صورت گری میں مسلمان مرد و خواتین کی ایک دوسرے کو رفاقت حاصل رہی۔ اس کی ترقی کے ہر ہر مرحلہ میں دونوں نے ایک دوسرے کا ساتھ دیا۔ یہ تاریخ کی شہادت ہے۔ آج بھی یہ معاشرہ اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب کہ وہ ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں اور اس کے قیام کے لیے جدو جہد کریں۔

مشترک قانون شریعت

قدیم مذاہب میں مرد اور عورت کی ایک حیثیت نہیں تھی۔ مرد کی سطح عورت سے اونچی تھی، اس لیے دونوں کے لیے الگ الگ قوانینِ حیات تجویز کیے گئے، لیکن اسلام کا مخاطب 'انسان' ہے۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین وشریعت کا بارِ امانت کائنات کی کوئی مخلوق نہ اٹھاسکی۔ یہ بار صرف انسان نے اٹھایا ہے۔ اس میں مرد اور عورت دونوں داخل ہیں:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الانِسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً.

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے 'امانت' پیش کی، لیکن انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کردیا اور اس سے ڈر گئے۔ (لیکن) انسان نے اسے اٹھالیا۔

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْراً رَّحِيْماً ۔ (الاحزاب:۷۲،۷۳)

بلا شبہ وہ بڑا ظالم اور بڑا نادان تھا۔ یہ اس لیے ہوا کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب دے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں پر اپنی شفقت و رحمت کے ساتھ توجہ کرے اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ان آیات میں 'امانت' کا لفظ آیا ہے۔ اس سے مراد احکامِ دین اور شریعت کی عائد کردہ ذمہ داریاں ہیں۔ اس میں خدا اور بندے کے تمام حقوق آتے ہیں۔ ان کو امانت سے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت پر عمل کرنے کی ذمے داری انسان پر ڈالی ہے اور اس کے ادا کرنے کا اسے پابند بنایا ہے۔

امانت کا ادا کرنا قابلِ ستائش ہے اور اس پر اجر و ثواب بھی ہے۔ اس کے لیے اختیار ضروری ہے۔ اگر کسی پہاڑ پر یا زیرِ زمین کوئی امانت رکھ دی جائے اور وہ غائب ہو جائے تو پہاڑ اور زمین سے باز پرس نہ ہوگی اور محفوظ مل جائے تو ان کی تعریف نہ ہوگی۔ آسمان، زمین اور پہاڑوں نے بارِ امانت اٹھانے سے اس لیے انکار کیا کہ وہ اختیار سے محروم ہیں اور جس کام پر لگا دیا گیا ہے وہ انجام دے رہے ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ وہ اس امتحان کے لیے نہیں تیار ہوئے کہ حقِ امانت ادا کر کے مستحق ثواب اور خیانت کر کے گرفتارِ عذاب ہوں، لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔ اس کے نتائج بھی اس کے سامنے تھے کہ وہ امانت ادا کر کے انعام و اکرام کا مستحق ہوگا اور خیانت ہو تو اس کی پاداش بھی اسے بھگتنی پڑے گی۔[۱]

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان نے ازل میں جو بارِ امانت اٹھایا وہ احکام

---

[۱] ان آیات پر تفصیلی بحث اور مختلف اقوال کے لیے ملاحظہ ہو قرطبی، الجامع لا حکام القرآن، جلد ۷، جزء ۱۴، ص ۱۶۲-۱۶۵۔ رازی، التفسیر الکبیر، جلد ۱۳، جزء ۲۵، ص ۲۰۲-۲۰۵۔ بیضاوی، انوار التنزیل و اسرار التاویل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء، ۲/۲۵۴

شریعت کا بار تھا۔ اب اس کے مرد اور عورت دونوں کو اس کی جزا یا سزا بھی ملے گی۔ جو مرد یا عورت کفر و نفاق اور شرک و الحاد میں مبتلا ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ اس کی توجہ اور عنایت ان خوش نصیب مردوں اور عورتوں کو حاصل ہوگی جو سرمایۂ ایمان اپنے ساتھ رکھیں گے اور وہ انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اسلام نے عورت کی تعلیم کی جو ترغیب دی ہے اس کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ وہ زبانی طور پر دین کی تعلیمات سے واقف ہوجائے، بلکہ اس میں کتابی علم بھی شامل ہے۔ کتابی علم سے مراد پڑھنا اور لکھنا دونوں ہی ہے۔ اس کے بغیر اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن تعلیم کے اس تصور کے خلاف حضرت عائشہؓ سے ایک حدیث روایت کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتسکنوھن الغرف و لا تعلّموھن الکتابة وعلّموھن المغزل وسورة النور۔	عورتوں کو بالا خانوں میں نہ رکھو، ان کو کتابت کی تعلیم نہ دو، انھیں سوت کاتنا اور بننا سکھاؤ اور سورۂ نور کی تعلیم دو۔

اس حدیث کی بنیاد پر متقدمین میں بعض علماء کی یہ رائے رہی ہے کہ عورت کی اتنی تعلیم ہونی چاہیے کہ وہ کتاب پڑھ سکے۔ اسے تحریر و کتابت سکھانا صحیح نہیں ہے۔ بعد کے دور میں بھی اس خیال کے حاملین رہے ہیں۔ لیکن حسب ذیل وجوہ سے یہ روایت اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کوئی استدلال کیا جائے:

۱- اس حدیث میں کئی ایسی باتیں آئی ہیں جو اسلام کے مزاج اور اس کی عمومی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

۲- کوئی شخص جب تک پڑھنے اور لکھنے پر قادر نہ ہو اسے تعلیم یافتہ یا 'پڑھا لکھا' نہیں کہا جاتا۔ اسلام کا منشا بہ ظاہر یہ ہے کہ عورت تعلیم سے آراستہ ہو۔ اس کے لیے صرف پڑھنے کی صلاحیت کافی نہیں ہے۔ اسے لکھنے اور تحریر کے ذریعے اپنا مافی الضمیر

ادا کرنے کے قابل ہونا چاہیے۔

۳- اس روایت کے غلط اور نا قابل قبول ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا عمل اس کے خلاف تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ان کے نام مدینہ سے باہر کے علاقوں سے جو خطوط آتے تھے، خود ان ہی کی ہدایت پر، عائشہ بنت طلحہؓ ان کا جواب دیا کرتی تھیں۔

۴- یہ روایت سند کے لحاظ سے بھی انتہائی ضعیف ہے۔ اس کے راویوں میں محمد بن ابراہیم شامی ہے، جسے محدثین نے کذّاب، منکرالحدیث اور حدیث گھڑنے والوں میں شمار کیا ہے۔

اس مضمون کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی آئی ہے۔ اس کا ایک راوی جعفر بن نصر 'متہم بالکذب' ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ثقہ راویوں کا نام لے کر غلط اور باطل روایات نقل کرتا تھا۔

سب سے بڑی بات یہ کہ یہ روایت ایک ایسی حدیث کے خلاف ہے جو صحیح سند سے ثابت ہے۔ حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کہتی ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا:

الا تعلّمين هذه رقية النملة كما علّمتها الكتابة[۱]	کیا تم ان کو مرض 'نملہ' کی دعا نہیں سکھاؤ گی جس طرح تم نے انھیں کتابت سکھائی ہے۔

یہ مسند احمد اور ابوداؤد کی روایت ہے اور صحیح ہے۔ یہ حدیث اس سے قوی تر سند سے مستدرک حاکم میں موجود ہے۔[۲]

---

[۱] ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الرقی۔ مسند احمد، ۷/۵۱۶، حدیث نمبر ۲۶۵۵۵۔ حدیث شفاء بنت عبداللہ۔ مرض 'نملہ' میں آدمی کے بازو پر دانے نکل آتے ہیں جو بہت تکلیف دہ ہوتے ہیں اور مریض کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چیونٹیاں مسلسل حرکت کر رہی ہوں۔

[۲] البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ وشیٔ من فقہھا وفوائدھا، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء، المجلد الاول، ص ۳۴۰، حدیث نمبر ۱۷۸

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شفاءؓ لکھنا جانتی تھیں۔ حضرت حفصہؓ کو انھوں نے اس کی تعلیم دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصویب و تائید فرمائی۔ اگر یہ عمل غلط ہوتا تو حضرت شفاءؓ کو اس کی تعلیم سے اور حضرت حفصہؓ کو اس کے سیکھنے سے منع فرماتے۔

علامہ خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خواتین کے لیے کتابت کی تعلیم ناپسندیدہ نہیں ہے۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اس سے عورتوں کے لیے کتابت کی تعلیم کا جواز نکلتا ہے۔

علامہ ابن عبدالسلام محمد ابن تیمیہؒ (صاحب منتقیٰ الاخبار) کے نزدیک اس حدیث سے عورتوں کے لیے کتابت کی تعلیم کا جواز نکلتا ہے۔[1]

☆☆☆

---

[1] اس موضوع پر مولانا شمس الحق عظیم آبادی (صاحب عون المعبود) کا رسالہ '**عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان**' کے نام سے موجود ہے۔ اس میں دونوں طرح کی احادیث پر محدثانہ انداز میں گفتگو کی گئی ہے اور اہل علم کا نقطۂ نظر بیان ہوا ہے۔ رسالہ فارسی میں ہے۔ یہی رسالہ اس وقت پیش نظر ہے اور بیش تر حوالوں کے لیے اسی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اس کا عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ حدیث میں ان خواتین کو کتابت کی تعلیم دینے سے منع کیا گیا ہے جن کے لیے وہ فساد اور بگاڑ کا سبب بن جائے۔

علامہ البانی نے اس پر سخت تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک موضوع حدیث، جس کی ہر سند انتہائی کم زور ہے، اس کی بنیاد پر اس طرح کی بات کرنا صحیح نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کتابت سیکھنے، بلکہ مطلق علم حاصل کرنے سے کوئی بھی آدمی فتنہ و فساد میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس کا تعلق صرف عورتوں سے نہیں، کتنے ہی مرد ہیں جن کی تحریریں ان کے دین و اخلاق کے لیے نقصان دہ ہیں، اس وجہ سے کیا حصول علم ہی سے سب کو منع کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ پڑھنا لکھنا اللہ کی ایک نعمت ہے۔ اس سے مرد اور عورت دونوں ہی کو فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ وأثرہا السیئ فی الامۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، ۵/ ۳۰، حدیث نمبر ۲۰۱۷۔ نیز سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، المجلد الاول، الجزء الثانی، ص ۳۴۶، ۳۴۷۔